جناب جنرل مرزا اسلم بیگ

افغانستان اور علاقائی سلامتی کے تقاضے

افغان قوم کے مضبوط حوصلے ملک کی سنگلاخ سرزمین سے مشابہ ہیں جو ابھی تک غیر مسلکی تسلط سے محفوظ رہی ہے' افغان عوام کی نفسیات کلیدی کردار کی حامل ہے' اور اپنی سرزمین پر غیر ملکی تسلط کی راہ میں رکاوٹ ہے حتیٰ کہ دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ نے ان کے ملک کو تباہ کر دیا ہے' لیکن افغان قوم کی قوت مدافعت امریکی قابض فوجوں کے ڈیزی کٹر حملوں سے ریزہ ریزہ ہو جانے کے باوجود مستحکم ہے' القاعدہ اور طالبان افغانستان میں امریکہ کیلئے مسئلہ بنے ہوئے ہیں۔ افغانستان پر امریکہ کے CIA کے سربراہ کا کہنا ہے کہ ان کے اندازے کے مطابق القاعدہ و طالبان اور روس کے خلاف جنگ کے تربیت یافتہ جہادی کم وبیش ستر ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں' ان کی تعداد ساٹھ ہزار سے زیادہ ہے اور ان میں سے صرف ڈیڑھ ہزار اب تک گرفتار کئے جا چکے ہیں' باقی ماندہ جہادیوں کے خلاف جنگ کب تک جاری رہے گی اور سایوں کا تعاقب کہاں تک کامیاب ہوگا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

امریکہ نے حامد کرزئی کو قومی حکومت کا سربراہ بنایا لیکن وہ امن اور استحکام کا قیام یقینی نہیں بنا سکے ہیں اور انہیں بمشکل کابل کے گردونواح تک دسترس حاصل ہے' جبکہ قبائلی جنگی سردار اپنے اپنے علاقوں میں اپنا اثر ورسوخ مستحکم کر رہے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ''دوشنبے پلان'' کی تکمیل کیلئے افغانستان کو پانچ نسلی علاقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جو اپنے اپنے جنگی سرداروں کے زیر حکمرانی ایک ابھرتی ہوئی حقیقت ہے جسے افغانستان کے سیاسی مستقبل کا حصہ بنائے بغیر کوئی حل ممکن نہیں۔

جذبہ انتقام اور غلط مشوروں اور اندازوں کے باعث صدر بش نے افغانستان کو امریکہ مخالف سرگرمیوں کا مرکز سمجھ لیا جبکہ دراصل امریکہ مخالفت اسلامی تحریکوں کا مرکز مصر' عرب' شمالی افریقہ اور یورپ ہیں' یہ حقیقت ہے کہ 11 ستمبر کے واقعہ میں ملوث افراد میں 15 کا تعلق سعودی عرب' 2 کا متحدہ امارات' ایک کا مصر اور باقی ماندہ کا تعلق لبنان سے ہے' اسکے باوجود امریکہ کا قہر پہلے سے تباہ حال افغانیوں پر ٹوٹا جنہوں نے اس کے دیرینہ دشمن روس کو عالمی طاقت کے میدان سے باہر کر کے امریکی خواب کی تکمیل کی تھی' یہ حقائق اب سامنے آ رہے ہیں کہ القاعدہ اور طالبان کے مفروضے امریکہ نے اپنے دیرینہ خواب کو حقیقت کا رنگ دینے کیلئے ایجاد کئے جنہیں روس کے ٹوٹنے کے بعد ایک جامع حکمت عملی کے تحت عملی شکل دی جا رہی ہے اور جس کا مقصد یوریشیا (چین روس اور یورپ کے علاقوں پر مشتمل) کے

گرد و حصار قائم کر کے اپنے مفادات کو تحفظ مہیا کرنا ہے لہذا مغربی محاذ پر نیٹو کی افواج نے محاذ قائم کیا ہے جبکہ جنوبی دفاعی محاذ کیلئے امریکہ نے کوریا اور جاپان میں اپنی افواج کو استعمال کیا ہے' یوریشیا کے جنوب میں یہ محاذ افغانستان' ازبکستان اور تاجکستان تک پھیلا ہوا ہے' اور اسے مزید عراق تک پھیلانے کی کوشش جاری ہے' تاکہ یوریشیا اور ایران کا محاصرہ مکمل ہو سکے۔

یہ بات عیاں ہے کہ امریکہ افغانستان میں جنگ کے مقاصد کے حصول میں ناکام رہا' ایک سال گزرنے کے باوجود تعمیر نو کے کام میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی نہ ہی کوئی ایسا جامع منصوبہ بنا کہ جس سے افغان عوام کے مصائب کا مداوا ہو سکے' اس کے باوجود امریکہ عراق پر حملے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اور عراق میں اپنی فوج داخل کر کے علاقے کے تمام ممالک کو اپنے سیاسی اور معاشی نظریات کے تابع کرنا چاہتا ہے تاکہ ان کی منڈیوں تک رسائی ممکن ہو سکے' یہ صرف عراق کا اپنا تیل نہیں جس پر امریکہ صدام حسین کو برطرف کرنا چاہتا ہے' وہ خلیج فارس کی سلامتی کو یقینی بنانا چاہتا ہے جس راستے سے دنیا کا ایک چوتھائی تیل ترقی یافتہ ممالک کو ترسیل ہوتا ہے۔

مسلم ممالک کی فوجی قوت کو توڑنے کی منصوبہ بندی اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی' بقول رامسے کلارک ''عراق کا کویت میں داخلہ بغیر خون کا قطرہ گرائے امریکی مداخلت کا موجب بنا لیکن صرف دس سال قبل واشنگٹن نے 1980ء میں ایران پر عراق کے حملے کی اخلاقی طور پر مذمت نہیں کی کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ دونوں ممالک آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں''۔ ڈاکٹر ہنری کسنجر کا کہنا تھا کہ ''اسلامی ممالک کے پاس تیل جیسا موثر ہتھیار نہیں رہنا چاہیے'' اور یہی وجہ ہے کہ 1990ء کی خلیجی جنگ میں تمام تر درندگیوں کے باوجود صرف اور صرف انہی مقاصد کے حصول کی ایک کوشش تھی۔

سعودی عرب ایک ایسا ملک ہے جو اس وقت تیل کی پیداوار میں اضافہ کر دیتا ہے' جب قیمتیں زیادہ ہوں اور جب قیمتیں کم ہوں تو اس میں کمی کر دیتا ہے' لیکن 11 ستمبر کے واقعات نے صورتحال تبدیل کر دی ہے۔ سعودی شاہی خاندان اب دباؤ میں ہے' عراق کے گرد و پیش جدید اسلحہ سے لیس افواج متعین کر دی گئی ہیں' اگر صدام حسین کے خلاف اندرون ملک کوئی بغاوت نہیں ہوتی تو جنگ کسی بھی لمحے چھڑ سکتی ہے' البتہ عراق ہی اصل ہدف نہیں ہے' بلکہ اصل ہدف ایران ہے جسے اسرائیل اپنا ازلی دشمن تصور کرتا ہے۔ اسرائیلی سوچ کے مطابق ایران ہی وہ خوفناک دشمن ہے جو بہت جلد جوہری اسلحہ کی تیاری کے قابل ہو جائیگا' اس پر مستزاد یہ کہ اس نے درمیانی فاصلے تک مار کرنے والے میزائل (شہاب ۳ اور ۴) بنا لئے ہیں جو تل ابیب کو نشانہ بنا سکتے ہیں' اور یہی سبب ہے کہ اسرائیل کا وزیر دفاع ایران کی جوہری تنصیبات پر حملہ کرنے پر زور دے رہا ہے۔ اسکے اس جارحانہ انداز کی وجہ امریکہ کی طرف سے دیئے جانے والے F-15 ہوائی جہاز اور بیلسٹک میزائل ہیں جو آسانی سے ایران میں کسی بھی جگہ کو نشانہ بنا سکتے ہیں' انہیں خطرات کے پیش نظر ایران نے یورینیم کی افزودگی اور جوہری توانائی کے پروگرام کا برملا اعلان کر دیا ہے۔

دہشت گردوں پر قابو پانا تو درکنار امریکہ اپنے اتحادیوں کو بھی مطمئن نہیں کر سکا۔ مثلاً یورپی یونین جو کہ عالمی طاقت میں اپنا حصہ چاہتا ہے، امریکہ کی موجودہ لاقانونیت پر مبنی پالیسیوں کے خلاف ہے اور یہ صورت حال ایک خطرناک انجام کی طرف جا رہی ہے، جس سے بچنے کیلئے انسانیت کو وقت درکار ہے، تہذیبوں کے ٹکراؤ کا فلسفہ بھی ایسا ہی من گھڑت خیال ہے، دوسری تہذیبوں کو ''برائی کی جڑ اور بدمعاش'' سمجھ کر اپنی تہذیب کا تحفظ اور اپنی بڑائی ثابت کرنا دھوکہ اور گمان ہے، بلکہ آدمیت کا قتل ہے جہاں تہذیبی شناخت پس پشت ڈال دی جاتی ہے، دہشتگردی کے پس پردہ قتل عام ایسی ہی پالیسیوں کا اظہار ہے جس طرح امریکہ نے اسرائیل، بھارت اور روس کو قابل رشک حکومتی نمونہ قرار دے کر فلسطین، کشمیر اور چیچنیا میں جاری آزادی کی مقدس تحریکوں کو دہشتگردی کا نام دے کر کچلنے کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے اور مسلمانوں کو دہشتگردی کے ہمدرد کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، لیکن یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ مسلمان تشدد اور دہشتگردی کی طرف کیوں مائل ہوئے جبکہ تاریخ کچھ اور ہی منظر پیش کرتی ہے۔ مثلاً دوسری عالمی جنگ کے بعد عالمی افق پر، متعدد آزاد اسلامی ریاستوں کا ظہور ہوا، جب کہ اس سے قبل صرف تین ممالک حقیقی معنوں میں آزاد اسلامی حکومتیں تھیں، افغانستان ایران اور ترکی لیکن چند عشروں کے دوران 57 اسلامی ممالک کے قیام نے عالمی سطح پر تزویراتی اثرات مرتب کئے جسے بلاشبہ عالم اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا دور کہا جا سکتا ہے، یہ ممالک صرف یہ چاہتے ہیں کہ انہیں عزت و آزادی کیساتھ جینے کا حق حاصل ہو لیکن سامراجی طاقتوں، پڑوسیوں اور اندرون ملک سیاسی تضادات اور اقتصادی عدم مساوات کے حامل طبقوں سے ٹکراؤں کی کیفیت پیدا ہوئی جسے آج ''تہذیبوں کی جنگ'' کہا جاتا ہے جبکہ درحقیقت یہ انسانی معاشرے کا تجدیدی عمل ہے۔ جسے تہذیبوں کا ٹکراؤ اسلئے کہا گیا ہے تاکہ امریکہ کو ایک نیا دشمن مل جائے جسکے خلاف فوجی ساز و سامان کی تیاری اور اس میں مصروفِ عمل کارخانوں کیلئے توجیہہ پیش کی جا سکے۔ سرد جنگ کے خاتمے پر روس کے سابق وزیر اعظم نے کہا تھا کہ ''سوویت یونین کے خاتمہ نے امریکہ کو دشمن سے محروم کر دیا ہے، اس کمی کو پورا کرنے کیلئے امریکی دانشوروں نے اسلام کو بطور دشمن پیش کیا ہے'' جسکے ساتھ اس کے تعلقات صدیوں پر محیط تھے۔

نو آزاد مسلم ممالک کے لئے بغیر کسی تعاون اور مدد کے اپنی امنگوں کو عملی جامہ پہنانا مشکل تھا اسلئے کہ وہ بیحد غریب اور پس ماندہ تھے۔ او آئی سی میں شامل 57 اسلامی ممالک جو عالمی آبادی کا ایک بلین سے زیادہ ہیں اور ان میں سے 29 ممالک کی اوسط شرح آمدن ایک ہزار ڈالر سالانہ ہے، اگر آپ برونائی، کویت، بحرین اور سعودی عرب کو الگ کر دیں تو تمام او آئی سی کی اوسط شرح آمدن 500 ڈالر سالانہ رہ جاتی ہے اسلئے مسلمانوں کا غم و غصہ بجا ہے، کیونکہ انکے وسائل اور استعدادی طاقت کا استحصال کیا جا رہا ہے، تیل پیدا کرنے والوں کا قیمتوں کے تعین میں کوئی کردار نہیں، بہت سے امیر اور بااثر ممالک کرائے کی اقتصادیات پر زندہ ہیں جن میں ان کی کوئی سرمایہ کاری نہیں، سعودی عرب نے گزشتہ 25 سالوں میں کھربوں ڈالر کمائے ہیں، لیکن یہ تلخ حقیقت ہے کہ آج وہ بھاری قرضے تلے دبا ہوا ہے۔

مسلمانوں کا مسئلہ بڑے پیمانے پر ہتھیاروں کا خریدنا ہے جو ہتھیار بیچنے والے ممالک انہیں بیش بہا قیمتوں پر دیتے ہیں 1987ء سے 1997ء تک سعودی عرب نے 262 بلین ڈالر اپنی افواج پر خرچ کئے جبکہ 1995 سے 1997ء تک یورپ اور امریکہ سے ہتھیاروں کی درآمد پر 31 ملین ڈالر سے زیادہ خرچ کئے گئے۔ 1989ء سے لیکر اب تک امریکہ نے 40.6 بلین ڈالر کا اسلحہ فراہم کیا ہے۔...... سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی دولت کا اتنا بے دریغ ضیاع کیوں ہو رہا ہے' کیا ان وسائل کا رخ انسانیت کی بہتری کی طرف نہیں موڑا جاسکتا۔ بیرونی دنیا کے دباؤ سے قطع نظر مسلمان اندرونی طور پر اپنے حکمرانوں کی سفاکیوں کا بھی شکار ہیں۔ مسلم دنیا میں شخصی حاکمیت 38 ممالک میں سے 22 ممالک میں قائم ہے جہاں مطلق العنان حکمران ہیں' 8 ممالک میں روایتی بادشاہت قائم ہے' اور کچھ انتہائی مفلوک الحال ہیں' اگر ٹھنڈے دل سے تجزیہ کیا جائے تو مسلمان ممالک برداشت سے زیادہ دباؤ کا شکار ہیں' لیکن جس چیز نے ان کے غم وغصہ میں اضافہ کیا ہے وہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا جانب دارانہ طرز عمل ہے جو اسرائیل اور بھارت کی تمام تر انسانیت سوز کاروائیوں' نسل کشی' ایٹمی پھیلاؤ اور اقوام متحدہ کے منشور کی صریح خلاف ورزیوں کے باوجود قابل سزا نہیں۔

دہشت گردی وہ عمل ہے جس کی دین اسلام اجازت نہیں دیتا' لیکن مسلمان صرف یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب ٹھیک نہیں ہے جب وہ مسلمان بھائیوں کو بے دردی سے ہلاک ہوتے دیکھتے ہیں تو انہیں اپنی دینی ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے' کیونکہ جہاد ایک فریضہ ہے جسے بجالانا ان پر واجب ہے' قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''آخر تمہارے راستے میں وہ کون سی رکاوٹ ہے کہ تم ان بے سہارا مرد' عورتوں اور بچوں کی مدد کو نہیں پہنچتے جو اپنی کمزوری کے سبب ظلم و بربریت کا شکار ہیں' اور تمہیں پکار رہے ہیں کہ تم انہیں ظالموں سے نجات دلاؤ'' جہاد اور دہشت گردی دو متضاد اصطلاحیں ہیں اور مسلمانوں کو موردالزام قرار دینے والے ان میں فرق نہیں کرتے' اسلئے افغانستان' چیچنیا' فلسطین اور کشمیر میں جاری بربریت کے خلاف جہادی پیدا ہوتے رہیں گے جب تک عالمی ضمیر کے ٹھیکیداران مظالم کو بند کرانے میں اپنا کردار ادا نہیں کرتے۔...... امریکہ نے اعلان کیا ہے کہ اگر اسے سلامتی کونسل سے ویٹو کا خطرہ ہوا تو براہ راست کاروائی کر کے عراق پر تسلط قائم کر لے گا' جس کے خلاف فرانس' جرمنی' بیلجیئم اور روس احتجاج کر رہے ہیں' کیونکہ بش اور ٹونی بلیئر نے عراق میں تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی موجودگی کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں دیا' جبکہ اسرائیل کے پاس ایسے ہتھیار موجود ہیں لیکن اس کے متعلق کوئی بات نہیں کرتا۔ یہ وہ دوہرا معیار ہے جو نفرتوں کی بنیاد ہے اور سارے فساد کی جڑ ہے۔...... مسلمان ملکوں کو نئے حقائق کا ادراک کرنا چاہیے جو عالمی نظام کے ساتھ منسلک ہے' جب تک عالمی رائے عامہ ان حالات کو متوازن بنانے کے لئے متحد نہیں ہوتی' انہیں پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوگا' بلاشبہ انہیں درپیش مسائل لامحدود ہیں' اور غور کرنا ہوگا کہ کن عوامل نے انہیں تہذیبی علمبرداروں کے مقام سے نیچے گرایا ہے جبکہ علم' سائنس' فنون حرب اور فلسفہ میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا' مسلمانوں نے نہ صرف سائنس

اور ریاضی سے اغماض برتا بلکہ اپنے تمام وسائل کو اپنے ذاتی مفادات اور اقتدار کو مستحکم بنانا کے لئے صرف کیا جس سے مسلم معاشرہ تضادات کا شکار ہو گیا اور بلآخر فرقہ واریت نے جنم لیا۔ ایسے اقدامات جو انہیں یکجہتی اور ملی یگانگت کی طرف لے جاتے انہیں چھوڑ کر وہ عمومی مسائل کا شکار ہو گئے۔ اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرنے کیلئے مسلمان دانشوروں کو قابل عمل حکمت عملی وضع کرنی چاہیے اس لئے کہ مسلم امہ کو درپیش صورت حال ایک مضبوط قابل عمل حل کی متقاضی ہے۔...... افغانستان کے دو پڑوسی ممالک پاکستان اور ایران قدرتی اتحادی ہیں اور نمایاں اہمیت کے حامل ہیں' دوستی کے رشتے مضبوط کرتے ہوئے اپنے اردگرد منڈلاتے ہوئے طوفان کے مقابلے کے لئے تیاریاں ضروری ہیں' ان ممالک کی تاریخی' ثقافتی اور نظریاتی سرحدیں ایک ہیں لیکن افسوس کہ ان کے تعلقات میں سرد مہری ہے' باہم ربط اور گرمجوشی کا فقدان ہے جسے دوبارہ حاصل کرنے کے لئے غیر متزلزل عزم کی ضرورت ہے۔ 1990 کی خلیج کی جنگ کے بعد پاکستان' ایران' اور افغانستان کے مابین (Strategic Depth) کا نظریہ منظر عام پر آیا تھا' جسے غلط معنی دیئے گئے۔ یہ نظریہ پیش کرنے کا مقصد باہمی اقتصادی تعاون اور بھائی چارے کو فروغ دینا تھا جس طرح سے یورپی یونین نے اتحاد سے سیاسی اہمیت بڑھائی ہے' یورپی کمیشن کے رکن کرس پیٹرن نے اپنے دورہ بھارت میں کہا تھا'' مشترکہ خارجہ اور سلامتی پر اتفاق کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ تمام ممالک کی ایک پالیسی ہوگی' اس وقت اور آئندہ بھی 15 وزرائے خارجہ اپنی خارجہ پالیسیاں اپنی اپنی ترجیحات کے تحت بنائیں گے' کیونکہ ہم امریکہ کی طرح ایک اعلیٰ مملکت بنانا نہیں چاہتے' ہم یہ چاہتے ہیں کہ مشترکہ کوششوں سے اپنی استعدادی طاقت کو بجا طور پر استعمال کر کے عالمی اور علاقائی مسائل کے حل میں اپنا کردار ادا کریں'' یہ وہ خیال تھا جس کے تحت پاکستان' ایران' اور افغانستان کے مابین مضبوط باہمی تعاون اور رابطے (Strategic Depth) کا نظریہ پیش کیا گیا تھا' جس کے متعلق یہ غلط تاثر دیا گیا کہ اس نظریے کا مقصد بھارت کے ساتھ جنگ کی صورت میں افغانستان اور ایران کی سرزمین کو علاقائی وسعت حاصل کرنے کیلئے استعمال کیا جائے گا۔ جو نہ صرف غلط ہے بلکہ پاکستان کی جنگی پالیسی کی نفی بھی کرتا ہے' پاکستان کی جنگی پالیسی یہ ہے کہ تمام علاقوں کے دفاع کے ساتھ ساتھ سرحدوں کی خلاف ورزی کرنے والے کو شکست دینا افواج پاکستان کی اولین ذمہ داری ہے۔

پاکستان اور ایران کو تمام جز وقتی پالیسیوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کہ افغانستان میں قیام امن کے بغیر خطے میں امن کا قیام ناممکن ہے اور بغیر امن کے ترقی کی توقع کرنا حماقت ہے' ایک دوسرے پر الزام تراشی کے بجائے افغانستان کے بہتر مستقبل کیلئے مثبت اقدامات کرنے چاہیں۔ طالبان کی مذمت کرنے کے بجائے ہمیں افغانستان کے وسیع تر مفاد کے پس منظر میں صورتحال کا جائزہ لینا چاہیے' اب ہمیں آگے کی طرف دیکھنا ہوگا اور اس حقیقت کا سامنا کرنا ہوگا کہ افغانستان میں کس طرح ایک بامقصد سیاسی نظام کے قیام کیلئے اکثریت اور اقلیتوں کے حقوق کی ضمانت ممکن ہو سکتی ہے۔ پہلے قدم کے طور پر افغانستان میں مردم شماری کا عمل شروع

کرنا ضروری ہے جس سے آبادی کی تقسیم کا اندازہ ہو سکے۔ اسکے بعد انتخابات کرائے جائیں تا کہ ایک وفاقی اسلامی حکومت کی تشکیل ممکن ہو سکے۔ موجودہ حالات میں الیکشن کرانا' جب کہ شمالی اتحاد کی حکومت قائم ہے بے معنی عمل ہوگا جسے پختون اکثریت رد کرے گی۔ .... سویت یونین کی شکست کے بعد امریکہ کے تحت یک مرکزی نظام (Unipolar World Order) کو برتری حاصل ہوئی' پاکستان کا امریکہ کی طرف جھکاؤ اور انحصار بڑھا جبکہ بھارت دونوں حریفوں سے یکساں مستفید ہوتا رہا ہے۔ امریکہ کی طرف یک طرفہ جھکاؤ سے پاکستان کو نقصان ہوا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ چین کے ساتھ تعلقات کو مزید مستحکم بنایا جائے۔ اور روس سے تعلقات کو معمول پر لایا جائے کیونکہ توازن زندگی کی روح ہے اور خصوصاً اس وقت جب کہ عالمی نظام میں تبدیلی ظہور پذیر ہو رہی ہے' لہذا پاکستان کو توازن برقرار رکھتے ہوئے اپنا مقام کسی خاص سمت میں نہیں بلکہ صحیح مقام پر قائم رکھنا اشد ضروری ہے۔

افغانستان کے خلاف امریکہ کی جنگ کے بعد زمانے کے انداز بدلے گئے ہیں۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ (War on Terror) نے جنم لیا ہے' جس کے مرکزی کردار شمالی کوریا اور پاکستان ہیں اور اب ایران بھی اس صف میں شامل ہوتا نظر آ رہا ہے کیونکہ ایران کا یہ اعلان کہ اس نے ایٹمی توانائی کے حصول کیلئے یورینیم کی افزودگی کا کام شروع کر دیا ہے' اس بات کی طرف کھلا اشارہ ہے۔ ان ممالک کی قوت مدافعت (Strategic Defence) کے سبب یک مرکزی عالمی نظام کا توازن تبدیل ہوتا نظر آ رہا ہے اور ایٹمی خوف کے توازن (Balance of Terror) کی کوکھ سے دوسری جانب یورپی ممالک نے فرانس' جرمنی' اور بیلجیم کی سربراہی میں امریکہ' برطانیہ اور آسٹریلیا (Anglo Saxons) کے خلاف قوت مدافعت کا مظاہرہ کر کے یورپ کے خلاف گھیراؤ کی سازش کو ناکام بنایا ہے اور یہ واضح پیغام دیا ہے کہ یورپی ممالک کو نیٹو (Nato) کی افواج پر امریکہ کی برتری قبول نہیں ہے کیونکہ انہیں عسکری طاقت کے بل بوتے پر نہیں بلکہ افہام و تفہیم اور سیاسی مذاکرات کے ذریعے یورو ایشیا میں امن و امان اور ترقی کی نئی بنیادیں قائم کرنے کی ضرورت ہے' تا کہ ایسی قدریں جنم پائیں جو نئے یورپی مزاج سے ہم آہنگ ہوں۔

یہ وہ مناظر ہیں جو عالمی طاقت کے توازن کے بدلتے ہوئے خطوط کی نشاندہی کرتے ہیں اور اس وقت کے منتظر ہیں کہ اس نئی عالمی طاقت کے ابھرتے ہوئے نئے مراکز کی باگ ڈور کون سنبھالے گا۔ یہ باگ ڈور کسی ایک ملک کے ہاتھ میں نہیں ہوگی اسلئے کہ یہ ایک خطرناک روایت ہے جو سرد جنگ کے بعد صرف امریکہ کے ہاتھوں میں ہے جس کی عالمی بالادستی کی حکمت عملی کے سبب ساری دنیا عتاب میں آئی ہوئی ہے۔ اسلئے ضرورت اس بات کی ہے کہ جس طرح فرانس' جرمنی اور بیلجیم نے اجتماعی قیادت کا تصور پیش کیا ہے' اسی طرح چین اور روس کو بھی اپنی ترجیحات کا تعین کرنے کی ضرورت ہے تا کہ ''مشترکہ کوششوں سے اپنی استعدادی صلاحیتوں کو بجا طور پر استعمال کر کے عالمی اور علاقائی مسائل حل کئے جا سکیں۔''